***Journal of Religion & Society* (JRS)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

JURISPRUDENCE AND SOCIAL STUDY OF MARWIAT-E-SAHABIYAT RELATED TO FAMILY MATTERS

خاندانی معاملات سے متعلق مرویاتِ صحابیات کا فقہی وسماجی مطالعہ

Zobia Sarwar
Ph.D Scholar, The Islamia University Bahawalpur
Dr. Mahmood Ahmad
Assistant Professor, The Islamia University Bahawalpur

ABSTRACT
From the beginning of the Qur'an to the present era, the services rendered by the women of Islam in the field of education and teaching, or in the field of authorship and compilation, are praiseworthy and unforgettable. It can be said with complete trust and confidence that to ignore the scholarly services of women in Islam is to erase a bright chapter of history from the pages of existence. Since Islam has ordered men and women equally in terms of getting education, women are not behind men in the field of knowledge. There is also an argument that in the first century of Hijri, a large group of women. The great scholars have testified that he is a jurist.The ancient traditions of Islam are preserved and protected in Islamic literature even today. While Western civilization and social styles are having a profound impact on Islamic societies like the whole world. The importance of family is above all in Islamic teachings, prophetic training, behavior of Companions and social formation. In Islamic history, although women achieved distinction in different positions, but the wives of Mutharat Tayyabat and Akbar Sahabiyat are a composite of all these positions and their religious, moral, social and academic achievements can be a good example for Muslim women and all the social and Blood can protect against dangers.

Keywords: *Islamic History, Female Companions, Traditions, Civilization, Achievements*

مقدمہ:

اسلام کی قدیم روایات واقدار آج بھی اسلامی لٹریچر میں محفوظ ومامون ہے۔ جبکہ مغربی تہذیب وتمدن اور طرزِ معاشرت پوری دنیا کی طرح اسلامی معاشروں پر بھی گہرے اثرات مرتب کررہے ہیں۔ اسلامی تعلیمات، نبوی تربیت، صحابیات کے طرز عمل اور معاشرتی وسماجی تشکیل میں خاندان کی اہمیت سب سے بڑھ کر ہے۔ اسلامی تاریخ میں اگرچہ عورتوں نے مختلف حیثیتوں سے امتیاز حاصل کیا، لیکن ازواجِ مطہرات طیباتؓ اور اکابر صحابیاتؓ ان تمام حیثیات کی جامع ہیں اور مسلم خواتین کے لیے انہی کے دینی، اخلاقی معاشرتی اور علمی کارنامے اسوۂ حسنہ بن سکتے ہیں اور موجودہ دور کے تمام معاشرتی اور تمدنی خطرات سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ خیر القرون سے لے کر عصر حاضر تک ہر دور میں کم وبیش خواتین اسلام نے علم حدیث کی اشاعت میں جو خدمات جلیلہ انجام دی ہیں خواہ تعلیم وتدریس کے میدان میں ہو، یا تصنیف وتالیف کے میدان میں وہ قابل تعریف وستائش اور ناقابل فراموش ہے اور پورے وثوق واعتماد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ خواتین اسلام کی علمی خدمات سے چشم پوشی کرنا تاریخ کے ایک روشن باب کو صفحۂ ہستی سے ناپید کرنا ہے۔ چونکہ اسلام نے تعلیم حاصل کرنے کے سلسلے میں مرد وعورت کو یکساں حکم دیا ہے، علمی میدان میں خواتین مرد حضرات سے پیچھے نہیں، اس بات کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ قرنِ اول یعنی پہلی صدی ہجری میں ہی خواتین کی ایک بڑی جماعت کے فقیہ ہونے کی بڑے بڑے اہلِ علم حضرات نے گواہی دی ہے۔

تعارفِ موضوع:(Introduction of the Topic)

خاندان معاشرے کا سب سے اہم اور بنیادی حصہ ہے، جو مرد اور عورت کے درمیان شادی کے رشتے سے تشکیل پاتا ہے۔ معاشرے کی ترقی اور بہتری کا دارومدار خاندان پر ہے، جبکہ معاشرے کی تنزلی اور بگاڑ کا تعلق بھی اسی خاندان سے ہے، کیونکہ خاندان معاشرے کی بنیادی اکائی ہے اور اسی سے معاشرے وجود میں آتے ہیں۔ جس قدر خاندان مضبوط اور مستحکم ہوگا، اسی قدر معاشرہ اور ریاست بھی مضبوط ہوں گے۔ خاندان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ شریعت نے خاندان کی حفاظت اور بقا کو اپنے بنیادی مقاصد میں شامل کیا ہے۔ اسلامی تعلیمات کا ایک اہم حصہ، جسے "مناکحات" یا اسلام کا عائلی نظام کہا جاتا ہے، اسی مقصد کے لیے تشکیل دیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں ایک تہائی سے زیادہ احکامات خاندانی نظام کو منظم کرنے کے لیے نازل ہوئے ہیں۔ اسلامی معاشرے میں مسلمانوں کی اکثریت مشترکہ خاندانی نظام کو نہ صرف اپنائے ہوئے ہے، بلکہ اسے عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتی ہے، اسے برکت کا ذریعہ سمجھتی ہے، اور بعض اوقات اسے اسلام کا مقصد بھی قرار دیتی ہے۔

خاندان کے لیے عربی میں "الاسرۃ"، انگریزی میں "فیملی"، اور فارسی میں "خانوادہ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جو عام طور پر کنبہ، قبیلہ، یا برادری کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ خاندان کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنا کہ خود انسان کا وجود، کیونکہ انسان فطرتاً معاشرتی اور اجتماعیت پسند ہے۔ انسان کا اجتماعیت پسند ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے اس کے اندر مختلف

جذبات اور عناصر رکھے ہیں، جن کی وجہ سے وہ تنہا نہیں رہ سکتا اور نہ ہی تنہائی کو پسند کرتا ہے۔ اللہ نے انسان میں محبت کا جذبہ رکھا ہے، جس کی وجہ سے وہ دوسرے انسانوں کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ہر فرد کو ذمہ دار اور جوابدہ ٹھہرایا ہے، تاکہ معاشرے میں بگاڑ پیدا نہ ہو۔ چونکہ خاندان معاشرے کی بنیاد ہے، اس لیے خاندان کے سربراہ کو خصوصی طور پر مخاطب کیا گیا ہے۔

مقالہ ہذا میں خاندانی معاملات سے متعلق مرویاتِ صحابیات کا فقہی و سماجی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ چونکہ خاندانی معاملات سے متعلق سب سے زیادہ آگہی عورتوں کو ہی ہوتی ہے اس لیے خاندانی معاملات میں صحابیات کی روایات سب سے زیادہ معتبر قرار پاتی ہیں۔ اس مقالہ میں کتبِ صحاح اور مسانید کی روشنی میں منتخب صحابیات کی پیش کردہ روایات کا فقہی و تجزیاتی حسبِ ذیل ہے:

روایت نمبر:01 مہمان کو غیر روایتی / غیر پسندیدہ کھانے سے متعلق آگاہ کرنے کا بیان

"حدثنا يعقوب بن إبراهيم بن سعد ، قال: حدثني ابي ، عن صالح بن كيسان ، وحدث ابن شهاب ، عن ابي امامة بن سهل ، عن ابن عباس انه اخبره , ان خالد بن الوليد دخل مع رسول الله صلى الله عليه وسلم على ميمونة بنت الحارث، وهي حائض، فقدم إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم لحم ضب، جاءت به ام حفيد ابنة الحارث من نجد، وكانت تحت رجل من بني جعفر , وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا ياكل شيئا حتى يعلم ما هو؟ فقال بعض النسوة: الا تخبرين رسول الله صلى الله عليه وسلم ما ياكل، فاخبرته: انه لحم ضب، فتركه , قال خالد: فسالت رسول الله صلى الله عليه وسلم: احرام هو؟ قال " :لا، ولكنه طعام ليس في قومي، فاجدني اعافه , "قال خالد: فاجتررته إلي، فاكلته، ورسول الله صلى الله عليه وسلم ينظر , قال: وحدثه الاصم، عن ميمونة، وكان في حجرها يعني بهذا الحديث واظن ان الاصم يزيد بن الاصم."۔[1]

حضرت خالد بن ولید سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ ام المؤمنین حضرت میمونہ بنت حارث جو ان کی خالہ تھیں، کے گھر داخل ہوئے انہوں نے نبی ﷺ کے سامنے سانڈہ کا گوشت لا کر رکھا جو نجد سے ام حفید بنت حارث لے کر آئی تھی، جس کا نکاح بنو جعفر کے ایک آدمی سے ہوا تھا، نبی ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ کسی چیز کو اس وقت تک تناول نہیں فرماتے تھے جب تک یہ نہ پوچھ لیتے کہ یہ کیا ہے؟ چنانچہ آپ ﷺ کی کسی زوجہ نے کہا کہ تم لوگ نبی ﷺ کو کیوں نہیں بتاتیں کہ وہ کیا کھا رہے ہیں؟ اس پر انہوں نے بتایا کہ یہ سانڈہ کا گوشت ہے، نبی ﷺ نے اسے چھوڑ دیا۔ حضرت خالد بن ولید کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا یہ حرام ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا نہیں، لیکن

[1] مسلم،الجامع الصحیح، رقم الحدیث : 1946

یہ میری قوم کا کھانا نہیں ہے اس لئے میں اس سے احتیاط کرنا ہی بہتر سمجھتا ہوں چنانچہ میں نے اسے ایک طرف کھینچ لیا اور اسے کھانے لگا دریں اثناء نبی ﷺ مجھے دیکھتے رہے۔

فقہی و تجزیاتی مطالعہ:

انسانی زندگی میں تہذیب و ثقافت اور رسم و رواج کا بہت عمل دخل ہے۔اس کائنات میں بسنے والے افراد اپنے اپنے علاقے کے رسم ورواج سے واقف ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہر علاقہ میں بہت ساری چیزیں مختلف ہوتی ہیں، جو دوسرے دیگر علاقے میں نہیں کھائی جاتی۔اسلام نے اشیائے خورد ونوش میں حلت و حرمت کا تصور دیا ہے البتہ ضروری قرار نہیں دیا کہ جو اشیا ایک علاقہ میں حلال ہوں وہ تمام افراد کیلئے پسندیدہ بھی ہوں۔بہت سے کھانے اور دستر خواں ایسے ہوتے ہیں جو بعض علاقوں میں مرغوب اور دوسروں کیلئے مکروہ ہوں۔اسی لیے اسلام نے انسانی طبائع کی پسندیدگی کی رعایت کی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے، حضرت خالد بن ولیدؓ بیان کرتے ہیں:

”میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر گیا وہ حضرت خالد اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں،اتنے میں ایک بھنا ہوا سانڈا لایا گیا، یہ انکی بہن حفیدہ بنت حارث نجد سے لائیں تھیں،رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر جو عورتیں تھیں۔ان میں سے کسی نے کہا: رسول اللہ ﷺ جو چیز کھانے لگے ہیں وہ آپ کو بتا تو دو کہ پکا کیا ہے،، پھر آپکو بتایا گیا کہ یہ سانڈے کا گوشت ہے، یہ سنتے ہی آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔خالد بن ولید نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا:” نہیں, لیکن یہ (جانور) میری قوم کی سرزمین میں نہیں ہوتا، اس لیے میں خود کو اس سے کراہت کرتے ہوئے پاتا ہوں،(یعنی مجھے یہ پسند نہیں ہے، حضرت خالد (بن ولید) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: پھر میں نے اس کو (اپنی طرف) کھینچا اور کھا لیا جبکہ رسول اللہ ﷺ دیکھ رہے تھے, اور آپ نے مجھے منع نہیں فرمایا“۔[2]

اس حدیث میں یہ بات واضح ہے کہ جو چیز نبی اکرم ﷺ کو نہیں پسند آپ نے نہیں کھائی مگر آپ نے اس کو مکروہ یا حرام بھی نہیں کہا، بلکہ جب سانڈہ کے گوشت بارے آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:”نہ میں اسکو کھاتا ہوں نہ حرام کہتا ہوں، اور آپکے دستر خواں پر سانڈہ کا گوشت کھایا جاتا مگر آپ اسکو ہاتھ نہ لگاتے اور نہ ہی صحابہ کو منع کرتے“۔

اس حدیث میں وارد لفظ”الضب “ سے مراد سانڈہ ایک رینگنے والا جانور ہے، جسے ہندی میں سوسمار بھی کہتے ہیں، یہ ایک معروف جانور ہے جس کا تیل نکال کر گٹھیا کے درد کے لئے یا طلاء کے لئے استعمال کرتے ہیں، یہ جانور نجد کے علاقہ میں

---

[2] صحیح مسلم، کتاب ذبح اور شکار کا بیان، 1946(

بہت ہوتا ہے، حجاز میں نہ ہونے کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے اس کو نہ کھایا لیکن آپ ﷺ کے دستر خوان پر یہ کھایا گیا اس لئے حلال ہے۔

جس جانور کو نبی اکرم ﷺ کے دستر خوان پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کھایا اس کو عربی میں ضب کہتے ہیں اور خود حدیث میں اس کی صراحت ہے کہ یہ نجد کے علاقہ میں پایا جانے والا جانور ہے، جو بلاشبہ حلال ہے۔ فقہ حنفی اور شیعی فرقوں میں امامیہ کے نزدیک سانڈہ کا گوشت کھانا حرام ہے، فرقہ زیدیہ کے یہاں یہ مکروہ ہے، البتہ جمہور کے ہاں حلت ہے۔

عصر حاضر میں بسا اوقات کچھ لوگ گوشت میں اوجھڑی، کپورے پنجے، گھوڑا، سرخ چونچ والی لالی (Common myna)، پیلے چونچ والی حرام، مور وغیرہ کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ حالانکہ حرام و حلال کا اختیار کسی بھی شخص کے پاس نہیں ہے، جو چیز شریعت نے حلال کی وہ حلال ہے اور جو حرام کی وہ حرام ہے، اور جس سے شریعت نے خاموشی اختیار کی ہے اور اس میں حرام والی علامات نہیں تو وہ بھی حلال ہے، کیونکہ آپ ﷺ کے بعد شریعت میں کمی و بیشی کرنا کسی کے لیے جائز نہیں۔

درج بالا روایات کے ضمن میں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ کسی نئے جانور کے گوشت اور نئی ڈشز سے متعلق مہمان کو آگاہ کر دینا چاہیئے تاکہ اگر وہ طبعاً ناپسند کرے تو اُسے تو اسے معیوب نہیں سمجھنا چاہیے۔ چونکہ انسان جس علاقہ میں رہتا ہے اس علاقہ کی خوراک کا عادی ہو جاتا ہے اور اس سے انسیت محسوس کرتا ہے، اگر اسے دوسرے علاقہ کی خوراک پیش کی جائے، جس سے اس کو کبھی پہلے واسطہ نہ پڑا ہو تو وہ اس سے کراہت محسوس کرتا ہے اور اس کی طبیعت اس کے کھانے پر آمادہ نہیں ہوتی، اس لیے اگر کسی کو نئی چیز پیش کی جائے، تو اس کو اس سے آگاہ کر دینا چاہیے اور جو کسی چیز سے نفرت محسوس کرتا ہو اس کو وہ چیز چپکے سے نہیں کھلانی چاہیے۔

درج بالا روایت کے فقہی و تجزیاتی مطالعہ سے درج ذیل اہم نکات سامنے آتے ہیں:

1- بھانجا خالہ یا بھتیجا پھوپھو کے گھر میں بے تکلفی سے جا سکتا ہے۔
2- رشتہ داروں کے ہاں تحفہ تحائف اور کھانے پینے کے اشیاء کا تبادلہ کرنا ضروری ہے۔
3- دور دراز کے رشتہ داروں کو کھانے پینے پھل فروٹ اور موسمی میوہ جات بھیجنے چاہیے۔
4- رشتہ داروں سے آنے والی اشیاء خصوصاً کسی علاقے کی سوغات دوسروں کے ساتھ بھی شریک کرنا چاہیے۔
5- کھانے والی اشیاء کو بغیر سوچے سمجھے اور تاخیر جانے بغیر نہیں کھانا چاہیے۔
6- اجنبی غیر علاقہ مہمان کو روایتی غیر معروف کھانوں سے متعلق آگاہ کرنا ضروری ہے۔
7- مہمان کسی کھانے سے انکار یا ناپسندیدگی کا اظہار کر سکتا ہے۔

8- محفل میں پرہیزی کھانے والے موجود ہوں تو کچھ افراد کھانا کھا سکتے ہیں بشرط یہ کہ سب پر واضح کر دیا جائے۔

9- جو کھانے صحت کے لیے مناسب نہ ہوں تو انکار کر دینا مروتاً آدابِ مہمانی کے خلاف نہیں ہے۔

10- اوجڑی مغز یا دیگر کھانے جو عموماً کچھ لوگ پسند نہیں کرتے اس سے مہمان کے انکار کو معیوب تصور نہیں کرنا چاہیے۔

روایت نمبر:02 گھروں میں کھانے کے اوقات اور مقدار کا بیان

حدثنا وكيع ، قال: سمعت الاعمش ، قال: اظن ابا خالد الوالبي ذكره، عن ميمونة بنت الحارث ، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :الكافر ياكل في سبعة امعاء، والمؤمن ياكل في معى واحد. ".[3]

حضرت میمونہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مومن ایک آنت میں کھاتا ہے۔

فقہی و تجزیاتی مطالعہ:

اسلام دینِ فطرت ہے۔ اسلامی تعلیمات میں انسان کو ہر ایک معاملہ میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں ہر چیز میں اسراف اور فضول خرچی مذموم اور ممنوع ہے اور خاص کر کھانے پینے میں اور بھی زیادہ ممانعت ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ۔ "کھاؤ پیؤ اور اسراف و فضول خرچی نہ کرو، یقیناً اللہ تعالی اسراف کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا"۔[4]

رسول اللہ ﷺ نے کھانے پینے کے آداب سے متعلق فرمایا:

" آدمی کے لیے سب سے برابرتن اس کا بھرا ہوا پیٹ ہے، ابن آدم کو چند لقمے ہی کافی ہیں جن سے وہ اپنی پیٹھ سیدھی رکھے، اگر وہ ضرور ہی بھرنا چاہے تو (پیٹ کے تین حصے کرے) ایک کھانے کے لیے، اور ایک پینے کے لیے، اور ایک حصہ سانس کے لیے"۔[5]

کھانے پینے میں اسراف کے بہت سے مفاسد پائے جاتے ہیں جن میں سے چند ایک کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

انسان دنیا میں جتنی بھی اچھی پاکیزہ نعمتیں حاصل کرتا ہے اس کا آخرت میں اتنا ہی حصہ کم ہو جاتا ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ تعالی نے ابوجحیفہ رضي اللہ تعالی عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

[3] احمد، المسند،رقم الحديث:25614

[4] الاعراف : 31:7

[5] ترمذی ، الجامع، رقم الحديث : 2380

"دنیا میں زیادہ پیٹ بھر کر کھانے والے روز قیامت سب سے زیادہ بھوکے ہوں گے)۔تو ابوجحیفہ رضي الله تعالی عنہ نے موت تک کبھی بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا"۔[6]

یہ بھی ہے کہ زیادہ کھانے پینے کی وجہ انسان بہت ساری اطاعات کرنے سے مشغول ہو جاتا ہے اور کما حقہ اطاعات نہیں کر سکتا، مثلا قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ، حالانکہ ضروری تو یہ ہے کہ مسلمان کے لیے اس مہینہ میں شغل ہی اطاعت ہونا چاہیے جیسا کہ سلف صالحین کی عادت تھی۔ زیادہ کھانے کے مفاسد میں یہ بھی ہے کہ: انسان جب زیادہ کھائے پیے تو اس میں سستی پیدا ہو جاتی ہے، اور نیند بھی زیادہ آتی ہے، جس سے وہ اپنا زیادہ وقت ضائع کر بیٹھتا ہے۔

معروف تابعی حضرت نافعؒ بیان کرتے ہیں:

كان ابن عمر لا ياكل حتى يؤتى بمسكين ياكل معه، فادخلت رجلا ياكل معه، فاكل كثيرا، فقال: يا نافع، لا تدخل هذا علي، سمعت النبي صلى الله عليه وسلم، يقول:" المؤمن ياكل في معى واحد والكافر ياكل في سبعة امعاء"۔حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے تھے، جب تک ان کے ساتھ کھانے کے لیے کوئی مسکین نہ لایا جاتا۔ ایک مرتبہ میں ان کے ساتھ کھانے کے لیے ایک شخص کو لایا کہ اس نے بہت زیادہ کھانا کھایا۔ بعد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ آئندہ اس شخص کو میرے ساتھ کھانے کے لیے نہ لانا۔ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ مومن ایک آنت میں کھاتا اور کافر دو آنتیں بھر لیتا ہے۔[7]

حدیث کا مقصد یہ ہے کہ کافر بہت کھاتا ہے اور مومن کم کھاتا ہے۔ ایک کی بہت زیادہ پرخوری کو بیان کرنے کے لیے یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ اس حدیث کی شرح میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"اس کے معنی یہ ہیں کہ کافر کی تمام تر حرص پیٹ ہوتا ہے اور مومن کا اصل مقصود آخرت ہوا کرتی ہے۔ پس مومن کی شان یہی ہے کہ کھانا

کم کھانا ایمان کی عمدہ سے عمدہ خصلت ہے اور زیادہ کھانے کی حرص کفر کی خصلت ہے"۔[8] جیسا کہ تابعی عطیہ بن عامر الجہنیؒ فرماتے ہیں:

قالَ: سَمِعْتُ سَلْمَانَ وَأُكْرِهَ عَلَى طَعَامٍ يَأْكُلُهُ , فَقَالَ: حَسْبِي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ , يَقُولُ:" إِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ شِبَعًا فِي الدُّنْيَا , أَطْوَلُهُمْ جُوعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ."۔[9] سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو کھانا کھانے پر مجبور کیا گیا تو میں نے ان کو کہتے سنا: میرے لیے کافی

[6] البانی , السلسلۃ الصحیحۃ : 342
[7] بخاری ، الجامع الصحیح،رقم الحدیث:5393
[8] دہلوی،ولی اللہ بن عبدالرحیم، حجۃ اللہ البالغہ(لاہور ، کتب خانہ شانِ اسلام،1998م)253/1
[9] ابن ماجہ،السنن،رقم الحدیث: 3351

ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے" : دنیا میں سب سے زیادہ شکم سیر ہو کر کھانے والا قیامت کے دن سب سے زیادہ بھوکا ہو گا"۔

محمد بن حرب اپنی ماں کے واسطے سے اپنی نانی سے بیان کرتے ہیں:

أَنَّهَا سَمِعَتْ الْمِقْدَامَ بْنَ مَعْدِ يكَرِبَ , يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ , يَقُولُ:" مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنٍ , حَسْبُ الْآدَمِيِّ لُقَيْمَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ , فَإِنْ غَلَبَتِ الْآدَمِيَّ نَفْسُهُ , فَثُلُثٌ لِلطَّعَامِ , وَثُلُثٌ لِلشَّرَابِ , وَثُلُثٌ لِلنَّفَسِ."۔[10] مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: آدمی نے پیٹ سے زیادہ برا کوئی برتن نہیں بھرا، آدمی کے لیے کافی ہے کہ وہ اتنے لقمے کھائے جو اس کی پیٹھ سیدھی رکھ سکیں، لیکن اگر آدمی پر اس کا نفس غالب آ جائے، تو پھر ایک تہائی پیٹ کھانے کے لیے، ایک تہائی پینے کے لیے، اور ایک تہائی سانس لینے کے لیے رکھے"۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ خواہش نفس کی اتباع سے دور ہیں وہ تہائی پیٹ سے بھی کم کھاتے ہیں، اور تہائی پیٹ سے زیادہ کھانا سنت کے خلاف ہے۔ کیونکہ زیادہ کھانے سے پیٹ میں فضول مادے جمع ہو جاتے ہیں، فاسد بخارات پیدا ہو کر دماغ کو چڑھتے ہیں۔ میدے اور آنتوں میں زہریلے مادے اور خمیر پیدا ہو کر مختلف امراض کا باعث بنتے ہیں شوگر، بلڈ پریشر، السر، دل کی شریانوں میں رکاوٹ وغیرہ بسیار خوری کا ہی نتیجہ ہیں۔ آہستہ آہستہ پیٹ پھولنے لگتا ہے اور جسم موٹا ہو جاتا ہے جو خود ایک بیماری اور مصیبت ہے معنوی نقصان یہ ہوتا ہے کہ طبیعت سست ہو جاتی ہے دل کی روشنی بجھ جاتی ہے، ہمت پست ہو جاتی ہے اور موٹا ہونے کے باوجود کمزور ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے رسول اللہ ﷺ نے نے انسان کے لئے چند لقمے کافی قرار دیے اور وہ بھی چھوٹے کیونکہ ایک روایت میں » لقیمات « کا لفظ بھی آیا ہے۔ اکلاتٌ « یا» لقیماتٌ « جمع مؤنث سالم ہے جو نکرہ ہے اور الف لام سے خالی ہے عام طور پر یہ جمع قلت کے لیے استعمال ہوتی ہے جس کا اطلاق تین سے دس تک ہوتا ہے۔ اگر صبر ہو سکے تو یہ بہترین مقدار ہے جو آدمی کے لیے کافی ہے اگر نفس غالب ہو تو آخری حد یہ بیان فرمائی کہ ایک حصہ کھانے سے ایک پینے سے پر کرنے کے بعد تیسرا حصہ سانس کے لئے خالی رکھے اس سے زیادہ کھائے گا تو یہ اسراف ہے۔ بعض صوفیاء نے بھوک کی فضیلت بیان کرتے کرتے بات یہاں تک پہنچادی کہ اللہ کی نعمتوں کو ہی ترک کر دیا۔ کسی نے دودھ پینا چھوڑ دیا کسی نے لذیذ کھانا چھوڑ دیا۔ یہ طریقہ بھی اسوہ رسول ﷺ کے خلاف ہے۔ (وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا۔[11] کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو۔) یہ بھی اسراف ہے کہ اپنے نفس کو بھوک کے عذاب میں رکھا جائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان لنفسك عليك حقا''۔[12] یقیناً

---

[10] ابن ماجه، السنن، رقم الحديث: 3349
[11] الاعراف: 31:7
[12] بخاری، الجامع الصحيح، رقم الحديث: 5199

تمہارے نفس کا تم پر حق ہے"۔ اور یہ اسراف ہے کہ انسان اس برے برتن کو بھرتا ہی رہے اور اپنی صحت کا خیال نہ رکھے۔

درج بالا روایت کے فقہی و تجزیاتی مطالعہ سے درج ذیل اہم نکات سامنے آتے ہیں:

1- کھانے میں اعتدال صحت اور اچھی زندگی کے لیے ضروری ہے۔
2- زندگی میں کھانے کی اہمیت ضرورت تک محدود ہونی چاہیے۔
3- گھروں میں کھانوں پر دولت خرچ کرنے کی بجائے ضروریات کو پورا کرنا چاہیے۔
4- گھروں کے افراد کے مابین کھانے سے متعلق متوازن خوراک کی اہمیت اجاگر کرنا چاہیے تاکہ مناسب خوراک کا رجحان پیدا ہو۔
5- بچوں اور اہل خانہ کے مابین متوازن اور ضروری خوراک کو رواج دیا جائے۔
6- مسلمانوں کے کھانے اور غیر مسلموں کے کھانے کے اوقات اور مقدار میں بنیادی فرق ہے۔

روایت نمبر:03 گھریلو پالتو جانور و پرندوں کے حقوق کا بیان

حدثنا موسى بن داود ، قال: حدثنا نافع يعني ابن عمر ، عن ابن ابي مليكة ، عن اسماء بنت ابي بكر ، قالت: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم في الكسوف , قالت: فاطال القيام، ثم ركع، فاطال الركوع، ثم قام، فاطال القيام، ثم ركع، فاطال الركوع، ثم رفع، فاطال القيام، ثم سجد، فاطال السجود، ثم رفع، ثم سجد، فاطال السجود، ثم قام، فاطال القيام، ثم ركع، فاطال الركوع، ثم رفع، فاطال القيام، ثم ركع، فاطال الركوع، ثم رفع، ثم سجد، فاطال السجود، ثم رفع، ثم سجد، فاطال السجود، ثم انصرف، فقال " :دنت مني الجنة حتى لو اجترات، لجئتكم بقطاف من قطافها، ودنت مني النار حتى قلت: يا رب، وانا معهم؟ وإذا امراة قال نافع: حسبت انه قال تخدشها هرة , قلت: ما شان هذه؟ قيل لي: حبستها حتى ماتت، لا هي اطعمتها ولا هي ارسلتها تاكل من خشاش الارض. "۔[13]

حضرت اسماء سے مروی ہے کہ سوج گرہن کے موقع پر نبی ﷺ نے جو نماز پڑھائی اس میں طویل قیام فرمایا: پھر رکوع کیا اور وہ بھی طویل کیا، پھر سر اٹھا کر طویل قیام فرمایا: پھر دوسری مرتبہ طویل رکوع کیا، پھر سر اٹھایا اور سجدے میں چلے گئے اور طویل سجدہ کیا، پھر کھڑے ہو کر طویل قیام فرمایا پھر دو مرتبہ طویل رکوع کیا، پھر سر اٹھالیا اور سجدے میں چلے گئے اور طویل سجدہ کیا پھر سر اٹھا کر دوسرا طویل سجدہ کیا پھر نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ دوران نماز جنت میرے اتنے قریب کر دی گئی تھی کہ اگر میں ہاتھ بڑھاتا تو اس کا کوئی خوشہ توڑ لاتا، پھر جہنم کو اتنا قریب کر دیا گیا کہ میں کہنے لگا پروردگار! کیا میں بھی ان میں ہوں؟ میں نے اس میں ایک عورت کو دیکھا جسے ایک بلی نوچ رہی تھی، میں نے پوچھا کہ اس کا کیا ماجرا

---

[13] احمد، المسند، رقم الحديث:26963

ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ اس عورت نے اس بلی کو باندھ دیا تھا اور اسی حال میں یہ بلی مر گئی تھی، اس نے اسے خود ہی کچھ کھلایا اور نہ ہی اسے چھوڑا کہ خود ہی زمین کے کیڑے مکوڑے کھا لیتی۔

فقہی و تجزیاتی مطالعہ:

اسلام اپنے متبعین کو زندگی کے تمام شعبہ جات میں مکمل راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ انسانی فطرت ہے کہ وہ فطرتی مناظر سے لگاو رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ انسانی معاشروں میں جانوروں کو پالنے کا رواج عام پایا جاتا ہے۔ پالتو جانور رکھنا اور پالنا اسلام میں جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"نبی ﷺ سب سے اچھے اخلاق کے مالک تھے، میرا ایک بھائی جسے ابو عمیر کہتے تھے۔(راوی کہتے ہیں: ان کی عمر کے متعلق گمان ہے کہ ابھی دودھ چھڑوایا گیا تھا۔) جب بھی نبی ﷺ کے پاس آتا تو آپ ﷺ فرماتے تھے: ابو عمیر! آپ کی نغیر (بلبل) نے کیا کیا؟ کیونکہ وہ بلبل کے ساتھ وہ کھیلا کرتا تھا۔ نغیر سے مراد ایک چھوٹا سرخ چونچ والا پرندہ ہے"۔[14]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹے بچے کا پرندے سے کھیلنا جائز ہے، اسی طرح والدین کے لیے بھی جواز ہے کہ وہ اپنے بچے کو جائز کھیل کھیلنے دیں، اسی طرح چھوٹے بچوں کے کھیلنے کے لیے جائز کاموں پر پیسے کرنا بھی جائز ہے، پرندے کو پنجرے وغیرہ میں قید رکھنا بھی جائز ہے، پرندے کے پر کاٹنا بھی جائز ہے؛ کیونکہ ابو عمیر کے لیے پرندے کو روکنے کے دو ہی طریقے ہو سکتے ہیں، تو ابو عمیر نے ان میں سے کوئی بھی طریقہ اپنایا ہو دوسرا طریقہ بھی وہی حکم رکھے گا"۔[15]

اسلامی تعلیمات کے مطابق گھروں میں پالتو جانور رکھنے میں حرج نہیں۔ البتہ جانوروں کو گھروں میں قید کرنے اور پالنے کی چند شرائط اور ضوابط درج ذیل ہیں:

1-کتا پالتو جانور کے طور پر نہ پالا جائے؛ کیونکہ اسلام نے کتے پالنے کو حرام قرار دیا ہے، صرف چوکیداری اور شکار کے لیے اجازت دی ہے، اس حوالے سے نبی ﷺ کا فرمان ہے: "جس گھر میں کتا ہو وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے"۔[16]

---

[14] مسلم، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: 2150

[15] ابن حجر، فتح الباری: 584/10

[16] مسلم، الجامع الصحیح، رقم الحدیث : 2106

2- جانور پالتے ہوئے حد سے تجاوز نہ کریں کہ معاملہ قابل مذمت فضول خرچی تک پہنچ جائے، کچھ لوگ کسی مخصوص جانور کو خریدنے، پالنے اور اس کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کئی ملین رقم خرچ کر دیتے ہیں، اور کچھ تو اس حد تک بڑھ جاتے ہیں کہ اپنی ملکیت میں سے جانور کے لیے وصیت بھی کر دیتے ہیں، کچھ ممالک میں پالتو جانوروں کی خرید و فروخت کے لیے باقاعدہ میلے منعقد کیے جاتے ہیں اور اس کے لیے خطیر رقوم خرچ کی جاتی ہیں، ایسی تمام سرگرمیاں فضول خرچی کے زمرہ میں آتی ہیں۔

3- پالتو جانور کا مکمل خیال رکھیں، چنانچہ اگر کوئی مسلمان پالتو جانور پالے تو اس کے کھانے پینے کا مکمل خیال رکھے، اسے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائے، اسے نشانہ بازی کا ہدف نہ بنائے، جانور لڑانے کے لیے نہ پالے، اسی طرح جانور کو سردی یا گرمی میں مت رکھے، چنانچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

> نبی ﷺ نے فرمایا: ایک شخص راستے میں سفر کر رہا تھا کہ اسے پیاس لگی۔ تو اسے راستے میں ایک کنواں ملا اور وہ اس میں اتر گیا اور پانی پی لیا۔ پھر جب باہر آیا تو اس نے ایک کتے کو دیکھا جو ہانپ رہا تھا اور پیاس کی شدت سے گیلی مٹی کھا رہا تھا۔ اس شخص نے سوچا کہ اس وقت یہ کتا بھی پیاس کی اتنی ہی شدت میں مبتلا ہے جس میں میں تھا۔ چنانچہ وہ پھر کنویں میں اترا اور اپنے موزے میں پانی بھر کر اس نے کتے کو پلایا۔ اللہ تعالی نے اس کے اس عمل کی قدر فرمائی۔ اور اس کی مغفرت فرمادی۔ اس پر صحابہ کرام نے پوچھا: یارسول اللہ کیا جانوروں میں بھی ہمیں اجر ملتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، ہر زندہ جگر والے جانور میں اجر ملتا ہے۔[17]

اس حدیث میں صراحت ہے کہن کس طرح مومن شخص کو ایک جانور کا خیال رکھنے کی وجہ سے اجر دیا گیا، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ مومن کسی ایک جانور کا خیال رکھنے کی وجہ سے جنت میں چلا جائے، جیسے اس حدیث میں مذکور شخص کے ساتھ ہوا ہے، اللہ تعالی ویسے بھی حسن سلوک کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ایک ایسی عورت کے بارے میں بھی بتلایا جس نے ایک بلی کا خیال نہیں رکھا اور وہ بلی بھوک کی وجہ سے مر گئی، نہ تو عورت نے خود اسے کوئی چیز کھانے کو دی اور نہ ہی بلی کو چھوڑا کہ خود ہی زمین کے کیڑے مکوڑے کھالیتی"۔[18]

درج بالا روایت کے فقہی مطالعہ سے واضح ہوا کہ گھروں میں پالتو جانور پالنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، البتہ حلال جانور کو پالنا باعث برکت اور اجر و ثواب ہے۔ حرام جانور اور پرندے جیسے کتا، شیر، چیتا، تیندوا، بندر اور دیگر حرام پرندوں

---

[17] مسلم، الجامع الصحیح، رقم الحدیث : 2244

[18] بخاری، الجامع الصحیح، رقم الحدیث:3482

عقاب، چیل، طوطا وغیرہ کو محض طبع آزمائی کیلئے پالنا باعث نحوست اور گناہ ہے۔ کتا اگر شکار یا رکھوالی کے پیش نظر پالا جائے تو اس کی اجازت شرعاً موجود ہے۔

درج بالا روایت کے فقہی و تجزیاتی مطالعہ سے درج ذیل اہم نکات سامنے آتے ہیں:

1- گھروں میں حلال پالتو مویشی رکھنا مستحب اور پسندیدہ عمل ہے۔

2- پالتو جانوروں کے جملہ حقوق خوراک رہائش اور آزادی مد نظر رکھنا ضروری ہے۔

3- ایسے جانور جو انسانی ضروریات دودھ خوراک گوشت سواری کے لیے استعمال نہیں ہوتے انہیں گھروں میں قید کرنا مناسب نہیں۔

4- گھروں میں پالتو جانوروں کو اگر مناسب سہولیات میسر نہ ہو تو انہیں ذبح کر لیا جاتا کیا لیا جائے یا آزاد کر دیا جائے۔

5- پرندوں اور جنگلی ازاد جانوروں کو قید کرنا محض تفریح کی خاطر غیر مناسب اور ناپسندیدہ عمل ہے۔

روایت نمبر:04 گھروں میں جانوروں اور پرندوں کو قید کرنے کا بیان

حدثنا سفيان ، حدثنا عبيد الله بن ابي يزيد ، عن ابيه ، عن سباع بن ثابت ، سمعت من ام كرز الكعبية التي تحدث عن النبي صلى الله عليه وسلم، قالت: وسمعت النبي صلى الله عليه وسلم , يقول " :اقروا الطير على مكناتها. "۔[19]

حضرت ام کرز رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا ہے کہ پرندوں کو ان کے گھونسلوں میں رہنے دیا کرو۔

فقہی و تجزیاتی مطالعہ:

اسلامی تعلیمات میں انسانی طبائع کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ انسانی فطرت ہے کہ وہ فطرت کے قریب رہتا ہے۔ چونکہ جانور اور پرندوں کو پالنے کا شوق انسانی طبعی فطرت کا حصہ ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خوبصورتی اور دیکھنے، یا ان کی چہچاہٹ سننے کے لیے پرندوں کو پنجروں میں بند کر کے رکھنا جائز ہیں، بشرطیکہ کہ انہیں کھانا پینا اور دانہ وغیرہ دیا جائے اور ان کی طبعی ضروریات کو مد نظر رکھا جائے۔ جیسا کہ صحیحین میں روایت ہے:

> حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے والدہ کی طرف سے ایک بھائی تھے جنہیں ابو عمیر کہا جاتا تھا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ میرا خیال ہے وہ اب دودھ پینے کی عمر سے بڑھ چکے تھے۔ ان کے پاس ایک پرندہ تھا جس کا

---

[19] احمد، المسند، رقم الحديث:27139

نام نغیر تھا، جو مر گیا، جس پر وہ بچہ بہت اداس ہو گیا، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے یہ کہ کر ہنسی مذاق کرتے:يا عمير ؟ما فعل النغير:" اے ابو عمیر نغیر نے کیا کیا ؟ وہ اس چڑیا کے ساتھ کھیلا کرتا تھا"۔[20](نغیر ایک چھوٹا سا پرندہ ہے جو چڑیا کے مشابہ ہے، اور بعض نے اسے بلبل کہا ہے)۔

علامہ ابنِ حجرؒ کے مطابق:اس حدیث سے پرندے پال کر رکھنے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عمیر رضی اللہ عنہ کو اس سے نہیں روکا، اور نہ ہی اس کی ممانعت فرمائی۔ اس حدیث میں بچے کا پرندے کے ساتھ کھیلنے کا جواز بھی پایا جاتا ہے۔ نیز والدین کا اپنے بچے کو مباح چیزوں کے ساتھ کھیلنے کی اجازت دینے کا بھی جواز ملتا ہے۔ اسی طرح بچوں کو خوش کرنے کے لیے مباح چیزوں پر مال خرچ کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ اس کے علاوہ پرندوں کو پنجرے میں بند کرنے اور پرندے کے پر کاٹنے کا بھی جواز ہے، کیونکہ ابو عمیر رضی اللہ عنہ کا پرندہ ان دونوں حالتوں سے خالی نہیں ہو سکتا، بلکہ ایک چیز ضرور ہو گی۔ چاہے جو بھی واقعہ ہو، حکم میں دوسری چیز بھی شامل ہو سکتی ہے "۔[21]

شیخ عبد العزیز بن بازؒ سے سوال کیا گیا ایسے شخص کے بارہ میں کیا حکم ہے جو اپنے بچوں کو بہلانے کے لیے پرندے جمع کر کے پنجرے میں بند کر رکھے؟ تو شیخ رحمہ اللہ تعالی کا جواب تھا: اگر وہ ان پرندوں کو دانہ پانی مہیا کرتا اور باقاعدگی سے انہیں دانہ پانی ڈالتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں؛ کیونکہ اس جیسے امور میں اصل تو حلت ہی ہے، ہمارے علم کے مطابق اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں "۔[22]

مستقل فتوی کمیٹی سعودی عرب کے علماء کرام کا کہنا ہے: خوبصورتی والے پرندے ان کی آواز کے لیے فروخت کرنا، مثلا طوطے، اور رنگ برنگ پرندے، اور بلبل وغیرہ جائز ہیں؛ کیونکہ انہیں دیکھنا اور ان کی آواز سننا مباح اور جائز غرض ہے، شریعت میں اس کی خرید و فروخت یا انہیں پالنے کی حرمت میں کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ ایسی دلیل ملتی ہے جس سے علم ہوتا ہے کہ اگر پرندے کو دانہ پانی مہیا کیا جائے اور اس کی دیکھ بھال کی جائے تو اسے پال کر پنجرے میں بند کر کے رکھنا جائز ہے۔

درج بالا صراحت کے بعد کچھ علمائے کرام کا نقطہ نظر جانوروں اور پرندوں کو قید میں رکھنے کی حرمت کا ہے۔ ان علمائے کرام وفقہائے کرام کی دلیل یہ حدیث ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا"

[20]بخاری ، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: 5778
[21]ابن حجر،فتح الباری : 10 / 548
[22]فتاوی علماء البلد الحرام: ص : 1793

عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ حَبَسَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ جُوعًا، فَدَخَلَتْ فِيهَا النَّارَ» قَالَ: فَقَالَ: وَاللَّهُ أَعْلَمُ: «لاَ أَنْتِ أَطْعَمْتِهَا وَلاَ سَقَيْتِهَا حِينَ حَبَسْتِيهَا، وَلاَ أَنْتِ أَرْسَلْتِهَا، فَأَكَلَتْ مِنْ خَشَاشِ الأَرْضِ
۔[23]ایک عورت بلی کی بنا پر آگ میں داخل ہو گئی، اس نے اسے باندھ دیا، اور نہ تو اسے کھلایا اور پلایا، اور نہ ہی اسے چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھا کر گزارا کر لے"۔

اس حدیث میں یہ صراحت کہ جانوروں یا پرندوں کو قید میں نہیں رکھنا چاہیئے بلکہ انہیں اُن کی فطرتی آزادی دینی چاہیئے۔ چنانچہ اگر بلی کو قید رکھنا ناجائز ہے تو پھر پرندوں وغیرہ میں بھی ناجائز ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اہل علم جوروں کو تربیت کے لیے باندھنے کو مکروہ سمجھتے ہوئے اس سے منع کرتے ہیں۔ فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء میں جاوروں کو قید کرنے سے متعلق یوں عبارت درج ہے:

" چونکہ ان (پرندوں) کی آواز سننا اور انہیں دیکھ کر خوش ہونے کی انسان کو کوئی حقیقی ضرورت نہیں ہے، بلکہ یہ تو اکڑ، شرارت اور عیش پرستی کی علامت ہے۔ مزید یہ کہ یہ بیوقوفی بھی ہے، کیونکہ وہ شخص اس پرندے کی آواز پر خوش ہو رہا ہے جو خود اپنی اڑان بھرنے پر غمگین ہے، اور وہ فضا میں آزادانہ پرواز کرنے کے افسوس میں مبتلا ہے "۔[24]

پرندے اور جونوروں کو پالنے اور ان کے کاروبار کرنے کے لیے چند شرعی امور کا خیال رکھنا ضروری ہے:

- ان کے کھانے پینے کا خصوصی اہتمام کیا جائے۔
- ان کی حق تلفی نہ کی جائے۔
- اولین کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ان کو مانوس کیا جائے تاکہ ان کو قید کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ اگر بالفرض قید کرنا بھی پڑے تو ان کی رہائش کا بہتر سے بہتر بندوبست کیا جائے، تاکہ ان کو تکلیف نہ ہو۔
- ان پر کسی قسم کی سختی نہ کی جائے۔
- بیمار ہونے کی صورت میں مکمل علاج معالجہ کیا جائے۔

درج بالا تمام تر سہولیات کے باوجود اگر کسی شخص کی ملکیت میں کوئی پرندہ مر جائے تو وہ شخص گنہگار نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس نے پرندے پر کسی قسم کا ستم نہیں کیا تھا۔

درج بالا روایت کے فقہی و تجزیاتی مطالعہ سے درج ذیل اہم نکات سامنے آتے ہیں:

---

[23]مسلم، الجامع الصحیح، رقم الحدیث:6677

[24]فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء : 1 / 38 - 40

1- گھروں میں جانوروں اور پرندوں کی قید مناسب معلوم نہیں ہوتی ۔

2- ذاتی طبعی دلچسپی اور تفریح کے لیے جانوروں اور پرندوں کو قید رکھنا جائز نہیں۔

3- ایسے جانور جو سواری، دودھ اور خوراک کے لیے ہیں، انہیں پالنا اور دیکھ بھال کرنا ضروری ہے۔

4- ایسی جانور جو حرام ہوں اور کسی مقصد یعنی دفاع اور رکھوالی بھی نہ ہو تو محض تفریح اور طبع آزمائی کے لیے رکھنا جائز نہیں۔

5- گھروں میں پالنے والے جانوروں کے جملہ حقوق خوراک ہوا رہائش اور پانی کا اہتمام ضروری ناگزیر ہے۔

نتائج تحقیق:

مضمون ہذا کے اختتام پر درج ذیل نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں:

1۔ کتب صحاح اور مسانید میں صحابیات سے بکثرت ایسی روایات ملتی ہیں جو خاندانی معاملات سے متعلق نہایت اہم اور مفید معلومات فراہم کرتی ہیں جو خاندانی نظام کی تشکیل میں مدد و معاون ہیں۔

2۔ موجودہ دور میں خاندانی معاملات کے اصلاح اور درستگی کے لیے صحابیات کی روایات کا مطالعہ نہایت اہم ہے کیونکہ صحابیات کی تربیت رسول اللہ ﷺ کے زیر تربیت معاشرہ میں ہوئی۔

3۔ مضمون ہذا میں صحابیات کی مرویات سماج اور خاندان سے متعلق چند منتخب روایات کا سماجی اور فقہی مطالعہ کیا گیا ہے تاکہ معاصر مسائل کا حل تلاش کیا جاسکے۔